اسرائیلی جارحیت
امریکہ کا ساتھ اور امن کا عالمی دن

ماہتاب بشیر

گزشتہ سترہ سال سے صحافت کے شعبے سے منسلک ہیں۔ قائداعظم یونیورسٹی، امریکن سٹڈی سنٹر سے اسرائیل و فلسطین تنازعہ کے حوالے سے ایم فل تحصیص کر رہے ہیں۔





اسرائیل اور حماس کے درمیان ۷ اکتوبر ۲۰۲۳ سے شروع ہونی والے لڑائی اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان سات دہائیوں کی جنگ اور تنازعات میں سب سے بڑی جنگ ہے جس نے دس ماہ کے اندر بیرونی طاقتوں کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے وسیع مشرق وسطیٰ کو غیر مستحکم کر دیا ہے۔ یہ تنازعہ فلسطینیوں کی اپنی ریاست کی خواہشات کو تحفظ فراہم کرنے کے اسرائیلی مطالبات کے خلاف ہے جسے وہ طویل عرصے سے ایک دشمن خطہ تصور کرتا ہے۔ اسرائیل کے بانی ڈیوڈ بین گوریون نے ۱۴ مئی ۱۹۴۸ کو جدید ریاست اسرائیل کا اعلان کیا، ظلم وستم سے بھاگنے والے یہودیوں کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ قائم کی اور اس سرزمین پر ایک 'قومی گھر' کی تلاش میں جہاں وہ نسلوں سے گہرے تعلقات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ فلسطینیوں نے اسرائیل کی تخلیق کو نقبہ، یا تباہی کے طور پر افسوس کا اظہار کیا، جس کے نتیجے میں ان کا قبضہ ختم ہوا اور یوں ان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد ہونے والی جنگ میں، تقریباً ۷۰۰،۰۰۰ فلسطینی، جو کہ برطانیہ کے زیرِ تسلط فلسطین کی نصف عرب آبادی تھی، بھاگ گئے یا اپنے گھروں سے بے دخل ہو گئے، جو اردن، لبنان اور شام کے ساتھ ساتھ غزہ، مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم تک جا پہنچے۔ اسرائیل، جو امریکہ کا ایک قریبی اتحادی ہے، اس دعوے کا مقابلہ کرتا ہے کہ اس نے فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا اور اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کے قیام کے اگلے ہی دن پانچ عرب ریاستوں نے اس پر حملہ کیا۔ جنگ بندی کے معاہدوں نے ۱۹۴۹ میں لڑائی روک دی لیکن کوئی باضابطہ امن نہیں تھا۔ جنگ میں رہنے والے فلسطینی آج عرب اسرائیلی کمیونٹی کی تشکیل کرتے ہیں، جو اسرائیل کی آبادی کا تقریباً ۲۰ فیصد ہیں۔ ۱۹۶۷ میں اسرائیل نے مصر اور شام کے خلاف حملہ کرتے ہوئے 'چھ روزہ جنگ' کا آغاز کیا۔ اسرائیل نے تب سے مغربی

کنارے، عرب مشرقی یروشلم پر قبضہ کر رکھا ہے، جسے اس نے اردن سے حاصل کیا تھا، اور شام کی گولان کی پہاڑیوں پر تب سے قبضہ کر لیا ہے۔ ۱۹۷۳ میں، مصر اور شام نے نہر سویز اور گولان کی پہاڑیوں کے ساتھ اسرائیلی پوزیشنوں پر حملہ کیا، جس سے یوم کپور جنگ شروع ہوئی۔ اسرائیل نے تین ہفتوں کے اندر دونوں فوجوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اسرائیل نے ۱۹۸۲ میں لبنان پر حملہ کیا اور یاسر عرفات کی قیادت میں ہزاروں فلسطینی جنگجوؤں کو ۱۰ ہفتوں کے محاصرے کے بعد سمندر کے راستے سے نکال دیا گیا۔ ۲۰۰۶ میں لبنان میں دوبارہ جنگ شروع ہوئی جب حزب



اللہ کے جنگجوؤں نے دو اسرائیلی فوجیوں کو یرغمال بنا لیا اور اسرائیل نے جوابی کارروائی کی۔ ۲۰۰۵ میں اسرائیل نے غزہ کو چھوڑ دیا، جس پر اس نے ۱۹۶۷ میں مصر سے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن غزہ پر ۲۰۰۶، ۲۰۰۸، ۲۰۱۲، ۲۰۱۴ اور ۲۰۲۱ میں دونوں اطراف سے فضائی حملے، راکٹ فائر، اور بعض اوقات سرحد پار سے ہونے والے حملے جاری رہے۔ جنگوں کے ساتھ ساتھ، ۱۹۸۷-۱۹۹۳ اور پھر ۵۰-۲۰۰۲ کے درمیان دو فلسطینی انتفادہ یا بغاوتیں ہوئیں۔ دوسرے انتفادہ میں اسرائیلیوں کے خلاف حماس کے خودکش دھماکوں کی شدت شدید تھی۔ ۱۹۷۹ میں مصر اور اسرائیل نے ایک امن معاہدے پر دستخط کیے جس سے ۳۰ سال کی دشمنی کا خاتمہ ہوا۔ ۱۹۹۳ میں اسرائیلی وزیر اعظم یتزاک رابن اور عرفات نے فلسطینیوں کی محدود خود مختاری پر اوسلو معاہدے پر ہاتھ ملایا۔ ۱۹۹۴ میں اسرائیل نے اردن کے ساتھ امن معاہدہ کیا۔ ۲۰۰۰ کے کیمپ ڈیوڈ سربراہی اجلاس میں صدر بل کلنٹن، اسرائیلی وزیر اعظم ایہود

اسرائیل نے ۱۹۸۲ میں لبنان پر حملہ کیا اور یاسر عرفات کی قیادت میں ہزاروں فلسطینی جنگجوؤں کو ۱۰ ہفتوں کے محاصرے کے بعد سمندر کے راستے سے نکال دیا گیا۔



بارک اور عرفات کسی حتمی امن معاہدے تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ ۲۰۰۲ میں ایک عرب منصوبے نے اسرائیل کو تمام عرب ممالک کے ساتھ معمول کے تعلقات کی پیشکش کی تھی جس کے بدلے میں اس نے ۱۹۶۷ کی مشرق وسطیٰ کی جنگ میں لی گئی زمینوں سے مکمل انخلا، ایک فلسطینی ریاست کی تشکیل اور فلسطینی پناہ گزینوں کے لیے ایک "منصفانہ حل" کی پیشکش کی تھی۔ ۲۰۱۴ سے امن کی کوششیں تعطل کا شکار ہیں، جب واشنگٹن میں اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان مذاکرات ناکام ہو گئے تھے۔ فلسطینیوں نے بعد میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی انتظامیہ کے ساتھ معاملات کا بائیکاٹ کیا کیونکہ اس نے دو ریاستی حل کی توثیق کرنے سے انکار کرتے ہوئے کئی دہائیوں کی امریکی پالیسی کو پلٹ دیا – وہ امن فارمولہ جو اس علاقے میں قائم ایک فلسطینی ریاست کا تصور کرتا ہے جس پر اسرائیل نے ۱۹۶۷ میں قبضہ کیا تھا۔ امریکی صدر جو بائیڈن کی انتظامیہ نے مشرق وسطیٰ میں ایک "عظیم سودا" حاصل کرنے کی کوشش پر توجہ مرکوز کی ہے جس میں اسرائیل اور سعودی عرب کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانا بھی شامل ہے۔ تازہ ترین جنگ سفارتی طور پر ریاض کے ساتھ ساتھ دیگر عرب ریاستوں کے لیے بھی عجیب ہے، بشمول سعودی عرب کے ساتھ والی کچھ خلیجی عرب ریاستیں، جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کیے ہیں۔ دو ریاستی حل، اسرائیلی بستیاں، یروشلم کی حیثیت اور پناہ گزین اس تنازعے کا مرکز ہیں۔ دو ریاستی حل (ٹو سٹیٹ سولوشن): ایک ایسا معاہدہ ہے جو مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں اسرائیل کے ساتھ فلسطینیوں کے لیے ایک ریاست بنائے گا۔ حماس نے دو ریاستی حل کو مسترد کرتے ہوئے اسرائیل کی تباہی کی قسم کھائی ہے۔ اسرائیل نے کہا ہے کہ فلسطینی ریاست کو غیر فوجی بنانا چاہیے تاکہ اسرائیل کو خطرہ نہ ہو۔ زیادہ تر ممالک ۱۹۶۷ میں اسرائیل کے زیر قبضہ



زمین پر تعمیر کی گئی یہودی بستیوں کو غیر قانونی سمجھتے ہیں۔ اسرائیل اس سے اختلاف کرتا ہے اور زمین سے تاریخی اور بائبل کے تعلقات کا حوالہ دیتا ہے۔ ان کی مسلسل توسیع اسرائیل، فلسطینیوں اور عالمی برادری کے درمیان سب سے زیادہ متنازعہ مسائل میں سے ایک ہے۔ فلسطینی چاہتے ہیں کہ مشرقی یروشلم، جس میں مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے مقدس مقامات شامل ہیں، کو ان کی ریاست کا دارالحکومت بنایا جائے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ یروشلم کو اس کا "ناقابل تقسیم اور ابدی" دارالحکومت رہنا چاہیے۔ یروشلم کے مشرقی حصے پر اسرائیل کے دعوے کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ ٹرمپ نے متنازعہ شہر میں اس کے دائرہ اختیار کی حد کی وضاحت کیے بغیر یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کیا اور ۲۰۱۸ میں امریکی سفارتخانہ وہاں منتقل کر دیا۔ آج تقریباً ۶.۸ ملین فلسطینی پناہ گزین، بنیادی طور پر ۱۹۴۸ میں فرار ہونے والوں کی اولاد، اردن، لبنان، شام، اسرائیل کے زیر قبضہ مغربی کنارے اور غزہ میں مقیم ہیں۔ فلسطینی وزارت خارجہ کے مطابق رجسٹرڈ پناہ گزینوں میں سے نصف بے وطن ہیں، بہت سے لوگ پرہجوم کیمپوں میں رہتے ہیں۔ فلسطینیوں کا طویل عرصے سے مطالبہ ہے کہ پناہ گزینوں کو ان کی لاکھوں اولادوں کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ فلسطینی پناہ گزینوں کی کوئی بھی آبادکاری اس کی سرحدوں سے باہر ہونی چاہیے۔ حالیہ ترین جنگ بندی مزاکرات جو قاہرہ میں جاری ہیں کے دوران ہی اسرائیل اور حزب اللہ کے درمیان شدید جنگ بھی جاری ہے۔ اس دوران امریکی صدر جو بائیڈن اسرائیل کی کھلی حمایت کا اعلان کرتے چلے آرہے ہیں جبکہ گزشتہ روز امریکہ کی صدارتی امیدوار کمیلا ہیرس بائیڈن کی نائب صدر تھیں نے ڈیموکریٹک نیشنل کنونشن (ڈی این سی) میں اسرائیل کے ساتھ مسلسل کھڑے رہنے کا اعادہ کیا ہے، جس کا مطلب یہی ہے کہ یہودی لابی امریکی کانگریس میں چھائی ہوئی ہے جبکہ سیکرٹری آف سٹیٹ بلنکن کو امن کا داعی بنا کر جھوٹے بیانات دلائے جا رہے ہیں۔



اقوام عالم آج بھی اسرائیل سے یہی اپیل کر رہے ہیں یو این اور آئی سی جے کے فیصلوں کی روشنی میں اسرائیل فوری جنگ بندی کرے، مصر میں جنگ بندی مزاکرات کا عمل جاری ہے، امید ہے مشرق وسطی کئی ماہ مسلسل راکٹ اور بارود دیکھتے دیکھتے صاف شفاف آسمان بھی ضرور دیکھے گا۔

اسلام آباد: اکیس ستمبر کو ہر سال امن کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس سال امن کے عالمی دن کا تھیم "امن کی ثقافت کو فروغ دینا" ہے۔ اس سال اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے امن کی ثقافت کے بارے میں اعلان اور عمل کے پروگرام کو اپنانے کی ۲۵ ویں سالگرہ بھی منائی جا رہی ہے۔ اقوام متحدہ نے تسلیم کیا کہ امن نہ صرف تنازعات کی عدم موجودگی ہے، بلکہ اس کے لیے ایک مثبت، متحرک شراکتی عمل کی بھی ضرورت ہے جہاں بات چیت کی حوصلہ افزائی کی جائے اور تنازعات کو باہمی افہام وتفہیم اور تعاون کے جذبے سے حل کیا جائے۔ بڑھتی ہوئی جغرافیائی سیاسی کشیدگی اور طویل تنازعات والی دنیا میں، یہ یاد رکھنے کے لیے اس سے بہتر وقت کبھی نہیں آیا کہ ۱۹۹۹ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی امن کی ثقافت کے لیے درکار اقدار کو ترتیب دینے کے لیے کیسے اکٹھے ہوئی۔ زندگی کا احترام، انسانی حقوق اور بنیادی آزادی، تعلیم، مکالمے اور تعاون کے ذریعے عدم تشدد کا فروغ، تنازعات کے پرامن حل کے لیے عزم، آزادی، انصاف، جمہوریت، رواداری، یکجہتی، تعاون، تکثیریت، ثقافتی تنوع، معاشرے اور اقوام کے درمیان تمام سطحوں پر مکالمے اور افہام وتفہیم کی پاسداری کے لئے ہر انسان کو کام کرنا ہوگا۔ امن کا عالمی دن ہمیشہ ہتھیار ڈالنے اور جنگ بندی کا مشاہدہ کرنے کا وقت رہا ہے۔ لیکن اب لوگوں کے لیے ایک دوسرے کی انسانیت کو دیکھنے کا وقت بھی ہونا چاہیے۔ ایک عالمی برادری کے طور پر ہماری بقا کا انحصار اسی پر ہے۔ امن کا عالمی دن ۱۹۸۱ میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ذریعے منایا گیا۔ دو دہائیوں کے بعد ۲۰۰۱ میں جنرل اسمبلی نے متفقہ طور پر اس دن کو عدم تشدد اور جنگ بندی کی مدت کے طور پر نامزد کرنے کے لیے ووٹ دیا۔ آج مشرق وسطی سمیت یوکرین، کشمیر اور جہاں جہاں جنگیں جاری ہیں امید کی جاتی ہے کہ انسانیت انسانیت کا احترام کرتے ہوئے امن کا راستہ اختیار کرے گی۔